غالب نامِ آورم نام و نشانم مپرس * ہم اسد اللہم و ہم اسد اللہیم

شبیہ مبارک نجم الدولہ دبیر الملک جناب مرزا اسد اللہ خاں بہادر نظام جنگ المتخلص بہ غالب مرحوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

تیرھویں صدی ہجری میں جبکہ مسلمانوں کا تنزّل درجۂ غایت کو پہنچ چکا تھا اور اُنکی دولت؛ عزت اور حکومت کے ساتھ علم و فضل اور کمالات بھی رخصت ہو چکے تھے؛ حسنِ اتفاق سے دار الخلافہ دہلی میں چند اہلِ کمال ایسے جمع ہو گئے تھے جنکی صحبتیں اور جلسے عہد اکبری و شاہجہانی کی صحبتوں اور جلسوں کو یاد دلاتی تھیں؛ اور جنہیں سے بعض کی نسبت مرزا غالب مرحوم فرماتے ہیں

ہند را خوش نفسانند سخنور کہ بود — باد در خلوتِ شاں مشک فشاں از دمِ شاں

مومن و نیر و صہبائی و علوی وانگاہ — حسرتی اشرف و آزردہ بود اعظمِ شاں

اگرچہ جس زمانے میں کہ پہلی ہی بار راقم کا دلی جانا ہوا اس باغ میں پت جھڑ شروع ہو گئی تھی کچھ لوگ دلی سے باہر چلے گئے تھے اور کچھ دنیا سے رخصت ہو چکے تھے؛ مگر جو باقی تھے اور جنکے دیکھنے کا مجھکو ہمیشہ فخر رہیگا وہ بھی ایسے تھے کہ نہ صرف دلی سے بلکہ ہندوستان کی خاک سے پھر کوئی ویسا اُٹھتا نظر نہیں آتا؛

کیونکہ جس سانچے میں وہ ڈھلے تھے وہ سانچا بدل گیا؛ اور جس ہوا میں اُنھوں نے نشو و نما پائی تھی وہ ہوا پلٹ گئی۔

زمانہ دگرگونہ آئین نہاد　　شد آں مرغ کو بیضہ زرّیں نہاد

علی الخصوص مرزا اسد اللہ خاں **غالب** جنکی عظمت و شان اس سے بالاتر تھی کہ اُنکو بارھویں یا تیرھویں صدی ہجری کے شاعروں یا انشا پردازوں میں شمار کیا جائے۔

مرزا نے اپنی کتاب "مہر نیمروز" میں ایک موقع پر بہادر شاہ کی طرف خطاب کرکے یہ ظاہر کیا ہے کہ شاہجہاں کے عہد میں **کلیم** شاعر کو سیم و زر میں تولا گیا تھا؛ مگر میں صرف اس قدر چاہتا ہوں کہ اور کچھ نہیں تو میرا کلام ہی ایک دفعہ کلیم کے کلام کے ساتھ تول لیا جائے" اس مضمون کو جو لوگ مرزا کے رُتبے سے واقف نہیں ہیں شاید خودستائی اور تعلّی پر محمول کرینگے؛ مگر ہمارے نزدیک مرزا نے اسمیں کچھ بھی مبالغہ نہیں کیا؛ بلکہ بالکل وہی کہا ہے جو اُنکے زمانے کے اہلِ نظر اور اہلِ تمیز اُنکی نسبت رائے رکھتے تھے۔

اگرچہ زمانے نے اپنی بساط کے موافق مرزا کی کچھ کم قدر نہیں کی؛ اُن کا تمام کلام؛ اردو، فارسی، نظم اور نثر اُنکے جیتے ہی جی اطرافِ ہندوستان میں پھیل گیا تھا؛ اُنکے ماننے والے اور مدّاح و ثنا خواں ملک کے ہر گوشے میں پائے جاتے تھے اور اب تک پائے جاتے ہیں؛ مدحیہ قصائد پر اُنکو کم و بیش صلے اور خلعت و انعام بھی ملتے رہے؛ مرحوم بہادر شاہ نے بھی اپنی حیثیت کے موافق اُنکی خاصی قدر کی؛ ریاستِ رامپور سے اُنکے لیے اخیر دم تک معقول وظیفہ جاری رہا؛ یہ سب کچھ ہوا؛ مگر جب مرزا کے اُس اعلیٰ مرتبے کا جو شاعری و انشا پردازی میں فی الواقع اُنھوں نے حاصل کیا تھا۔ ٹھیک اندازہ کیا جاتا ہے تو ناچار یہ کہنا پڑتا ہے کہ زمانے کی یہ تمام قدردانی زیادہ سے زیادہ اُس پیرزال کی سی قدردانی تھی جو ایک سُوت کی

آنٹی لیکر یوسف کی خریداری کو مصر کے بازار میں آئی تھی۔ سچ یہ ہے کہ مرزا کی قدر جیسی کہ چاہیے یا جلال الدین اکبر کرتا؛ یا جہانگیر و شاہجہاں؛ مگر جس قدر اس اخیر دَور میں اُنکو مانا گیا اُسکو بھی نہایت مغتنم سمجھنا چاہیے۔

بِکے مُفت یہاں ہم زمانے کے ہاتھوں　　یہ دیکھا تو تھی یہ بھی قیمت زیادہ

اگرچہ مرزا کی تمام لائف میں کوئی بڑا کام اُنکی شاعری اور انشا پردازی کے سوا نظر نہیں آتا۔ مگر صرف اسی ایک کام نے اُنکی لائف کو دار الخلافہ کے اخیر دَور کا ایک مُہتم بالشان واقعہ بنا دیا ہے اور میرا خیال ہے کہ اس مُلک میں مرزا پر فارسی نظم و نثر کا خاتمہ ہو گیا ہے؛ اور اردو نظم و نثر پر بھی اُنکا کچھ کم احسان نہیں ہے؛ اسی لیے کبھی کبھی مجھکو اس بات کا خیال آتا تھا کہ مرزا کی زندگی کے عام حالات جس قدر کہ معتبر ذریعوں سے معلوم ہو سکیں اور اُنکی شاعری و انشا پردازی کے متعلق جو اُمور کہ احاطۂ بیاں میں آسکیں اور ابنائے زماں کی فہم سے بالاتر نہوں؛ اُنکو اپنے سلیقے کے موافق قلمبند کروں۔

پچھلے برسوں میں جبکہ میں دلّی میں مقیم تھا۔ بعض احباب کی تحریک سے اس خیال کو اور زیادہ تقویت ہوئی۔ میں نے مرزا کی تصنیفات کو دوستوں سے مستعار لیکر جمع کیا؛ اور جس قدر اُسمیں اُنکے حالات اور اخلاق و عادات کا سُراغ ملا اُنکو قلمبند کیا؛ اور جو باتیں اپنے ذہن میں محفوظ تھیں یا دوستوں کی زبانی معلوم ہوئیں۔ اُنکو بھی ضبطِ تحریر میں لایا۔ مگر ابھی ترتیبِ مضامین کی نوبت نہ پہنچی تھی کہ اَور کاموں میں مصروف ہو گیا؛ اور کئی برس تک وہ تمام یادداشتیں کاغذ کے مُٹّھوں میں بندھی ہوئی رکھی رہیں۔

اِن دنوں میں دوستوں کا پھر تقاضا اور بہت سخت تقاضا ہوا اور۔ باوجودیکہ میں ایک نہایت اہم اور ضروری کام میں مصروف تھا۔ دوستوں کے تقاضے نے یہاں تک مجبور کیا کہ اُس ضروری کام کو چند روز کے لیے ملتوی کرنا پڑا؛ اور یہ خیال کیا گیا کہ جو یادداشتیں مرزا کی لائف کے متعلق بڑی کوشش سے

جمع کی گئی ہیں؛ اور جو تھوڑی سی توجہ سے مرتب ہو سکتی ہیں۔ انکو اب زیادہ حالتِ منتظرہ میں رکھنا مناسب نہیں۔ مَیں نے اُن مُٹھوں کو کھولا اور اُن یادداشتوں کے مرتب کرنے کا ارادہ کیا؛ مگر اُن کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ مرزا کی تصنیفات پر پھر ایک نظر ڈالنے کی ضرورت ہوگی؛ اور اِسکے سوا کچھ اور کتابیں بھی درکار ہونگی۔ میں نے دِلّی کے *بعض بزرگوں اور دوستوں کو لکھا اور اُنھوں نے مہربانی فرما کر میری تمام مطلوبہ کتابیں اور جس قدر مرزا کے حالات اُنکو معلوم ہو سکے لکھکر میرے پاس بھیجدیے؛ اور اس طرح مرزا کی لائف جہاں تک کہ اُسکی تکمیل ہو سکتی تھی مکمل کی گئی۔

مَیں اوپر لکھ چکا ہوں کہ مرزا کی لائف میں کوئی منوّہ بالشان واقعہ اُنکی شاعری و انشاپردازی کے سوا نظر نہیں آتا۔ لہذا جس قدر واقعات اُنکی لائف کے متعلق اس کتاب میں مذکور ہیں اُنکو ضمنی اور استطرادی سمجھنا چاہیے۔ اصل مقصود اس کتاب کے لکھنے سے شاعری کے اُس عجیب و غریب مَلکہ کا لوگوں پر ظاہر کرنا ہے جو خدا تعالےٰ نے مرزا کی فطرت میں ودیعت کیا تھا؛ اور جو کبھی نظم و نثر کے پیرائے میں، کبھی ظرافت اور بذلہ سنجی کے روپ میں، کبھی عشقبازی اور رندمشربی کے لباس میں، اور کبھی تصوّف اور حُبِّ اہلبیت کی صورت میں ظہور کرتا تھا۔ پس جو ذکر ان چاروں باتوں سے علاقہ نہیں رکھتا اُسکو کتاب کے موضوع سے خارج سمجھنا چاہیے۔

لٹریری دنیا میں بہت سے صاحبِ کمال ایسے گذرے ہیں جنکے زمانے میں اُنکی قدر و منزلت کا پورا پورا اندازہ نہیں کیا گیا؛ مگر آخر کار اُن کا کمال ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہا۔ سعدی کے زمانے میں اُسکے

* یعنی نواب سعید الدین احمد خاں خلف الصدق نواب ضیاء الدین احمد خاں مرحوم اور سید اکبر مرزا و سید مظفر مرزا نبائر نواب حسام الدین حیدر خاں مرحوم اور میر مہدی حسین مجروح اور لالہ بہاری لال مشتاق ۱۲

اکثر ہمعصر امامی ہروی کو اُسپر ترجیح دیتے تھے؛ مگر کچھ بہت عرصہ نہ گذرا تھا کہ سعدی کا نام اور اُسکا کلام اطرافِ عالم میں منتشر ہو گیا؛ اور امامی کا کلام صرف تذکروں میں باقی رہ گیا۔ شکسپیر کے عہد میں اُسکو ایک ایکٹر سے زیادہ رتبہ نہیں دیا گیا، مگر آج اُسی شکسپیر کے ورکس بائبل کے ہم پلہ سمجھے جاتے ہیں۔ خود مرزا بھی اپنے کلام کی نسبت ایسا ہی خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک فارسی غزل میں فرماتے ہیں۔

تا ز دیوانم کہ سرمستِ سخن خواہد شدن؟ — ایں مَی از قحطِ خریداری کہن خواہد شدن

کوکبم را در عدم اوجِ قبولے بودہ است — شہرتِ شعرم بہ گیتی بعدِ من خواہد شدن

اگرچہ اس لحاظ سے۔ کہ ایشیائی شاعری کا مذاق یورپین سولزیشن میں روز بروز جذب ہوتا جاتا ہے اور فارسی لٹریچر ہندوستان سے ایسا رخصت ہوا ہے کہ بظاہر اُسکے مراجعت کرنے کی توقع نہیں رہی۔ یہ امید رکھنی تو فضول ہے کہ مرزا کی فارسی نظم و نثر اب یا آیندہ زمانے میں مقبولِ خاص و عام ہوگی؛ لیکن جو تو بر تو پردے مرزا کی شاعری اور نکتہ پردازی پر اُنکی زندگی میں پڑے رہے اور جو اب تک مرتفع نہیں ہوے؛ کیا عجب ہے کہ ہماری یا ہمارے بعد کسی دوسرے شخص کی کوشش سے رفع ہو جائیں۔

مرزا کو بحیثیت شاعری پبلک سے روشناس کرنے اور اُنکی شاعری کا پایہ لوگوں کی نظر میں جلوہ گر کرنے کا عمدہ طریقہ یہ تھا کہ اُنکے اصنافِ کلام میں سے ایک معتدبہ حصہ نقل کیا جاتا، ہر صنف میں جو باتیں مرزا کی خصوصیات سے ہیں وہ بیان کی جاتیں، جو کلام نقل کیا جاتا اُسکی لفظی و معنوی خوبیاں، نکتیں، اور باریکیاں ظاہر کی جاتیں، شعرا کے جس طبقے میں مرزا کو جگہہ دینی چاہیے اُس طبقے کے شاعروں کے کلام سے مرزا کے کلام کا موازنہ کیا جاتا، اُنکی غزل سے مرزا کی غزل کو، قصیدے سے قصیدے کو، اور اِسی طرح ہر صنف سے اُسی صنف کو ٹکرایا جاتا، اور اِسطرح مرزا کے پایۂ شاعری اور اُنکے

کلام کی حقیقت سے اہلِ وطن کو خبردار کیا جاتا۔ مگر یہ طریقہ جس قدر مصنف کے حق میں دشوار گذار تھا اُسی قدر پبلک کے لیے خاصکر اس زمانے میں غیر مفید بھی تھا؛ اگر ہم اس دشوار گذار منزل کے طے کرنے میں کامیاب بھی ہو جاتے تو ہماری وہی مثل ہوتی کہ "مرغی اپنی جان سے گئی اور کھانیوالوں کو کچھ مزا نہ آیا"

ناچار ہم نے بجاے طریقۂ مذکور کے جو حالتِ موجودہ میں باوجود دشوار ہونے کے غیر مفید بھی ہے اس موقع پر ایک ایسا طریقہ اختیار کیا ہے جو ہمارے لیے سہل تر اور پبلک کے لیے مفید تر معلوم ہوتا ہے۔

ہمنے دوسرے حصّے میں مرزا کے تمام کلام کو چار قسموں پر تقسیم کیا ہے؛ نظم اُردو، نثر اُردو، نظم فارسی اور نثر فارسی۔ اور اسی ترتیب سے ہر قسم کا تھوڑا تھوڑا انتخاب چار جدا جدا فصلوں میں درج کیا ہے۔ ہر قسم پر اوّل کچھ مختصر ریمارکس کیے ہیں۔ پھر اُس قسم کا انتخاب لکھا گیا ہے۔ اور جو اشعار یا فقرے شرح طلب سمجھے ہیں اُنکی جا بجا شرح بھی کر دی گئی ہے۔ اور کہیں کہیں محاسن کلام کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ اور آخر میں۔ خاصکر اُن لوگوں کے لیے جو فارسی لٹریچر کا صحیح مذاق رکھتے ہیں۔ نمونے کے طور پر مرزا کے کسی قدر فارسی کلام کا موازنہ ایران کے مسلّم الثبوت اُستادوں کے کلام کے ساتھ کر کے دکھایا ہے کہ مرزا نے فارسی لٹریچر میں کس درجے تک کمال بہم پہنچایا تھا۔

مذکورۂ بالا انتخاب سے ہماری یہ مراد نہیں ہے کہ مرزا کے کلام میں جس قدر بلند اور پاکیزہ خیالات تھے وہ سب لے لیے گئے ہیں؛ اور جو اُن سے پست درجے کے خیالات تھے وہ چھوڑ دیے گئے ہیں؛ نہیں۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ اس رسالے کی بساط اور وسعت کے موافق تا بمقدور ہر ایک صنف میں سے کم و بیش ایسا کلام لے لیا گیا ہے جو اس زمانے کے لوگوں کے مذاق سے بیگانہ اور اُنکی فہم سے بعید تر نہو؛ اور باوجود اسکے مؤلف کی نظر میں بھی بوجہ من الوجوہ انتخاب کے قابل ہو۔

اس انتخاب سے جسکو مرزا کے تمام کلام کا نمونہ سمجھنا چاہیے کئی فائدے تصوّر کیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ

جو لوگ شعر کی سمجھ اور اُسکا عمدہ مذاق رکھتے ہیں؛ اُنکو بغیر اسکے کہ تمام کلیات پر نظر ڈالنے کی ضرورت ہو۔ مرزا کا ہر قسم کا عمدہ کلام ایک جگہ جمع کیا ہوا مل جائیگا۔ دوسرے جو لوگ مرزا کا کلام اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے وہ۔ بسبب اسکے کہ ہر مشکل شعر یا فقرے کے معنی حل کر دیے گئے ہیں۔ مرزا کے خیالات سے بخوبی واقفیت حاصل کر سکیں گے۔ اور دونو طبقوں کو معلوم ہو جائیگا کہ مرزا نے قوتِ متخیلہ اور ملکۂ شاعری کس درجے کا پایا تھا؛ اور کس خوبی اور لطافت سے وہ نہایت نازک اور دقیق خیالات کو اُردو اور فارسی دونو زبانوں میں ادا کرنے کی قدرت رکھتے تھے۔

الغرض یہ رسالہ دو حصّوں پر تقسیم کیا گیا ہے؛ پہلے حصّے میں مرزا کی زندگی کے واقعات۔ جہاں تک کہ معلوم ہو سکے۔ اور اُنکے اخلاق و عادات و خیالات کا بیان ہے۔ انھیں حالات کے ضمن میں اُنکی خاص خاص نظمیں یا اشعار جو کسی واقعے سے علاقہ رکھتے ہیں، اور اُنکے لطائف و نوادر جن سے مرزا کی طبیعت کا اصلی جوہر اور اُنکی امیجنیشن کی قوت نہایت واضح طور پر ظاہر ہوتی ہے۔ اپنے اپنے موقع پر ذکر کیے گئے ہیں۔ دوسرے حصّے میں مرزا کے تمام کلام نظم و نثر اُردو اور فارسی کا انتخاب؛ اور ہر قسم پر جدا جدا ریویو؛ اور آخر میں مرزا کے کسی قدر کلام کا موازنہ ایران کے بعض مسلّم الثبوت اُستادوں کے کلام کے ساتھ کیا گیا ہے؛ خاتمۂ کتاب پر ایک مختصر ریویو مرزا کی تمام لائف اور اُن کی طرز شاعری و انشا پردازی پر لکھا گیا ہے؛ جسکو ساری کتاب کا لُبِّ لباب سمجھنا چاہیے۔

اگرچہ مرزا کی لائف۔ جیسا کہ ہم آیندہ کسی موقع پر بیان کرینگے۔ اُن فائدوں سے خالی نہیں ہے جو ایک بائیوگرفی سے حاصل ہونے چاہئیں، لیکن اگر اُن فائدوں سے قطع نظر کیجائے تو بھی ایک ایسی زندگی کا بیان جس میں ایک خاص قسم کی زندہ دلی اور شگفتگی کے سوا کچھ نہو۔ ہماری پژمردہ اور

دل مردہ سوسائٹی کے لیے کچھ کم ضروری نہیں ہے۔ اِسکے سوا ہر قوم میں عموماً، اور گری ہوئی قوموں میں خصوصاً، ایسے عالی فطرت انسان شاذ و نادر پیدا ہوتے ہیں جنکی ذات سے (اگرچہ قوم کو براہِ راست کوئی معتد بہ فائدہ نہ پہنچا ہو) لیکن کسی علم یا صناعت یا لٹریچر میں کوئی حقیقی اضافہ کم و بیش ظہور میں آیا ہو؛ اور سلف کے ذخیرے میں کچھ نیا سرمایہ شامل ہوا ہو۔ ایسے لوگوں کی لائف پر غور کرنا، اُنکے ورکس میں چھان بین کرنی، اور اُنکے نوادر افکار سے مستفید ہونا، قوم کے اُن فرائض میں سے ہے جن سے غافل رہنا قوم کے لیے نہایت افسوس کی بات ہے۔ جیسا کہ خود مرزا ایک جگہ لکھتے ہیں "حیف کہ ابنائے روزگار حسنِ گفتارِ مرا نشناختند۔ مرا خود دل بر آناں می سوزد کہ کامیابِ شناسائیِ فرۂ ایزدی نگشتند؛ و ازیں نمایشہای نظر فروز - کہ در نظم و نثر بکار بردہ ام - سرگراں گذشتند۔"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آغاز کتاب

پیدائش

ولادت

خاندان

میرزا اسد اللہ خان **غالب** المعروف بہ میرزا نوشہ، المخاطب بہ نجم الدولہ دبیر الملک اسد اللہ خاں بہادر نظام جنگ، المتخلص بہ غالب در فارسی و اسد در ریختہ؛ شب ہشتم ماہ رجب ۱۲۱۲ ہجری کو شہر آگرہ میں پیدا ہوئے۔ مرزا کے خاندان اور اصل و گوہر کا حال - جیسا کہ اُنھوں نے اپنی تحریروں میں جا بجا ظاہر کیا ہے - یہ ہے کہ اُنکے آبا و اجداد ایبک قوم کے ترک تھے؛ اور اُن کا سلسلۂ نسب تور ابن فریدوں تک پہنچتا ہے۔ جب کیانی تمام ایران و توران پر مسلط ہو گئے، اور تورانیوں کا جاہ و جلال دنیا سے رخصت ہو گیا؛ تو ایک مدتِ دراز تک تور کی نسل ملک و دولت سے بے نصیب رہی۔ مگر تلوار کبھی ہاتھ سے نہ چھوٹی؛ کیونکہ ترکوں میں قدیم سے یہ قاعدہ چلا آتا تھا کہ باپ کے متروکہ میں سے بیٹے کو تلوار کے سوا اور کچھ نہ ملتا تھا؛ اور کل مال و اسباب اور گھر بار بیٹی کے حصے میں آتا تھا۔ بارے ایک مدت کے بعد اسلام کے عہد میں اسی تلوار کی بدولت ترکوں کے بختِ خفتہ نے پھر کروٹ بدلی؛